ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
(April to June)

ڈاکٹر بیگ احساس کی افسانہ نگاری: تحقیق و تجزیہ

The Fiction of Dr.Baig Ehsas : Research and Analysis

ڈاکٹر محمد محسن (ساحل سلہری)

سیالکوٹ، پنجاب، پاکستان

ڈاکٹر محمد یوسف اعوان

الائیڈ فیکلٹی، نمل یونیورسٹی، میانوالی

ڈاکٹر عزیزہ سعید

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور

Dr. Muhammad Mohsan(Sahil Sulehry)
Sialkot, Punjab, Pakistan
Dr. Muhammad Yousaf Awan
Allied Faculty, Namal University, Mianwali
Dr. Aziza Saeed
Assistant Professor, Department of Urdu Lahore College for Women University, Lahore

Abstract:

Dr. Baig Ehsas was born on 10th August 1948 in Telangana, a suburb of Hyderabad, India. Dr. Baig Ehsas is a well-known Urdu fiction writer and critic. He was a professor of Urdu and chairman of the Urdu department at Usmania University. He was a two-time member of Sahitya Academy New Delhi and he was also the editor of the monthly "Subras". He was also very fond of media. He made his mark in Urdu literature as a fiction writer. Three of his fiction collections "Hanzal", "Khusha-e- Gandam" and "Dakhma" have been published. Dr Baig Ehsas wrote his PhD thesis on "Krishna Chandra Art and Personality". Dr. Baig Ehsas is one of the popular fiction writers, researchers, critics, journalists and teachers of Diyar-e-Dakkan. He has rendered countless services in both academic and literary fields. He produced a large generation of students of Urdu in Usmania University Hyderabad and University of Hyderabad. He Organized seminars at national and international level. He wrote fiction in modern dikshan in the last three or four decades.

Keywords: fiction writer, New Delhi, Khusha-e- Gandam, Diyar-e-Dakkan, writers, researchers, critics, journalists

ڈاکٹر بیگ احساس کا شمار ستر کے دہے میں رونما ہونے والے صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ہندوستانی شہر حیدرآباد دکن میں ۱۰۔اگست ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں اردو کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے تین افسانوی مجموعے "خوشہء گندم (۱۹۷۹ء)"، "حنظل" (۱۹۹۳ء) اور "دخمہ" (۲۰۱۵ء) میں شایع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر کی شخصیت اور فن پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا۔ ڈاکٹر بیگ احساس ماہنامہ "سب رس' حیدرآباد کے مدیر

بھی رہے اور مختلف اداروں سے بھی ان کی وابستگی رہی۔ بیگ احساس کا ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ "کرشن چند: شخصیت اور فن" ۱۹۹۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس تحقیقی مقالے نے ان کی افسانہ نگاری پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ دنیائے ادب کے یہ اہم افسانہ نگار ۸۔ ستمبر ۲۰۲۱ء کو انتقال کر گئے۔ ڈاکٹر بیگ احساس افسانہ نگاری میں کسی ازم کے پیروکار نہیں ہیں۔ انھوں نے افسانے کا بیانیہ خود بنایا ہے۔ انھیں افسانوی مجموعہ "دخمہ" پر ۲۰۱۷ء میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا۔

اردو فکشن میں حیدرآباد کے جن افسانہ نگاروں نے اپنے فن کا لوہا منوایا ہے ان میں جیلانی بانو، اقبال متین، اقبال مجید اور مظہر الزماں کے بعد سب سے اہم نام جو نظر آتا ہے وہ بیگ احساس کا ہے۔ بیگ احساس نہ صرف عصری تقاضوں سے خوب آگاہ تھے بل کہ انسانی نفسیات کے نباض اور بدلتے ہوئے رویوں اور رجحانات کے پارکھ بھی تھے۔ ان کہ کہانیاں وسیع افسانوی کائنات کی حامل ہیں۔ ان کا ہر افسانہ منفرد لگتا ہے۔ موضوع اور تکنیک کی انفرادیت ہی ان کی شناخت بناتی ہے۔ ان کے تینوں افسانوی مجموعے قارئین سے داد تحسین لے چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ہی افسانہ نگاری سے کیا ہے۔ جدید اردو افسانے کی فہرست بیگ احساس کے حوالے کے بغیر ادھوری ہے۔ ان کے افسانوں میں عصر حاضر کے درد و کرب اور مسائل کا ذکر ملتا ہے۔ وہ پیچیدہ سماجی مسائل کو قریب سے دیکھتے اور ان کا ذکر کرتے ہوئے حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کر لیتے۔ اس ضمن میں اقبال متین لکھتے ہیں:

> "بیگ احساس ایک سچے فنکار کی طرح اردو فکشن کے ایوان میں خاموشی سے داخل ہوئے۔ نہ سہارا دینے کے لیے کسی گروپ کی ادبی لاٹھی ساتھ تھی نہ نہ کسی پیشہ ور نقاد نما خطوط نویس کا دوشِ دست گیر۔ نہ کبھی انھوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اس لیے کہ انھیں اپنی تحریروں پر اعتماد تھا اور ہے۔ اوپر سے کہانیوں پر کسی فیشن کا نقاب اڑھانے کی بجائے انھوں نے خارجی زندگی اور داخلی محسوسات کے آہنگ کو اہمیت دی۔"(۱)

بیگ احساس کے افسانوں کا اولین مجموعہ "خوشہ گندم" انجمن معمار ادب حیدرآباد سے 1979ء میں شایع ہوا۔ اس مجموعے میں کل بارہ افسانے ہیں۔ ان میں "خوشہء گندم"، "خوابوں کا صحرا"، "تنکا اور طوفان"، "سنگ اٹھایا تھا کہ"، "ٹوٹتے لمحوں کا کرب"، "آگہی کے اندھیرے"، "اندھیری دھوپ"، "ریت کا سمندر"، "گندی"، "سوئی ہوئی آگ"، "تیرگی کا سفر"، "اور "سلگتی برف" شامل ہیں۔ ان سارے افسانوں کا اختصاص یہ ہے کہ ان میں حیدرآباد کی تہذیب جھلکتی ہے۔ یہ سارے افسانے ستر کی دہائی میں لکھے گئے ان کا معیار "حنظل" اور "دخمہ" کے برابر نہیں۔ اس زمانے کے سیاسی اور سماجی مسائل بھی ذرا مختلف تھے اور ویسے بھی بیگ احساس کے ہاں فنی پختگی بھی ابھی کم تھی۔ یہ سارے افسانے ایک نئے فنکار کی تخلیق ہیں۔

بیگ احساس کا افسانہ "خوشہء گندم" ایک علامتی نوعیت کی کہانی ہے۔ اس میں ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا گیا ہے جسے بھوک نے ستایا ہوا ہے۔ بھوک ایک ایسی شے ہے کہ اس میں انسان کو خوبصورت سے خوبصورت شے بھی اچھی نہیں لگتی۔ آدمی دو وقت کی روٹی کے لیے بے چین ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو پیٹ بھر کر کھانے کو نہ ملے تو اس کے سامنے کائنات کی دلکشی و رعنائی سب ہیچ ہیں۔ بھوک کے عالم میں آدمی خوبصورت لڑکی دیکھ کر بھی بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ مصنف نے اس افسانے میں ایک ایسی لڑکی کی کہانی بیان کی ہے جو بارھویں جماعت کی طالبہ ہے۔ اس کے امتحانات شروع ہونے والے ہیں اور وہ اپنی سہیلی سجاتا کے گھر پڑھنے کے لیے جایا کرتی ہے۔ وہاں بیٹھ کر دونوں سہیلیاں کمبائنڈ سٹڈی کرتی ہیں۔ کبھی کبھی شام کو دیر بھی ہو جاتی ہے تو سجاتا کے والد اسے گھر چھوڑ آتے ہیں۔ وہ دو بہنوں کی طرح ایک دوسرے سے پیار کرتی ہیں۔ ایک رات جب وہ دیر سے گھر پلٹتی ہے تو بس سٹاپ پر دو اوباش اس کے پیچھے پڑ جاتے

ہیں۔ وہ ان سے جان چھڑا کر قریب میونسپل پارک کے بینچ پر لیٹے شخص کے پاس پہنچ کر کہتی کہ ان اوباشوں سے اسے بچاؤ۔ اس شخص کا خیال روٹی کی طرف ہوتا ہے۔ اس ضمن میں افسانے کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "خدا کے لیے مجھے بتایئے۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی، غنڈے میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ کیا آپ پتھر ہیں۔ لڑکی چیخی۔ آں۔ وہ چونک پڑا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس طرح اچانک اٹھ بیٹھنے سے اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو اندھیرا چھا گیا۔ وہ میرے پیچھے پڑے ہیں۔ پلیز آپ شریف آدمی لگتے ہیں۔ خدا کے لیے۔ وہ لڑکی کو ایسے گھورنے لگا جیسے اس کے لہجے کی سچائی ناپ رہا ہو۔ چلو اس نے کہا۔ لڑکی نے اپنا لباس برابر کیا اور ساتھ چلنے لگی۔"(۲)

وہ بھوک ستایا شخص اس لڑکی کا سہارا بنتا ہے اور اسے اس کے گھر تک بحفاظت پہنچاتا ہے۔ اس کہانی میں یہ بات سامنے آتی کہ دنیا کے سارے آدمی برے نہیں۔ جب وہ آدمی اس لڑکی کو اس کے گھر پہنچاتا ہے تو اسے اس کے ساتھ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ جب وہ رکشے میں سفر کر رہے ہوتے ہیں تو وہ اس کے اوپر جا گرتی ہے لیکن بھوک کی وجہ سے اس شخص کو لڑکی میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ساری باتیں اس لڑکے کو سنا رہی ہوتی ہے لیکن وہ بیزار ہونے لگتا ہے۔ جب وہ لڑکی کو گھر چھوڑ کر اجازت چاہتا ہے تو لڑکی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کے گھر آ جائے اور ایک کپ کافی پی لے۔ لڑکی کے والدین پریشان ہوتے ہیں اور یوں وہ انھیں ساری کہانی سناتی ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "اس نے لڑکی کو غور سے دیکھا ایک نقطہ اس کے ذہن میں ابھرا۔ لڑکی بہت خوب صورت ہے کتنی معصوم۔۔ پھر سوچوں کے دائرے پھیلتے ہی گئے۔۔ فاصلہ۔۔ قربتیں ۔۔ خوبصورتی۔۔ ان کے متعلق تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ اس کے ذہن میں بجلیاں کوندنے لگیں لڑکی کے الجھے بال۔۔ اڑتا آنچل۔۔ ہچکولے کھاتا ہوا جسم۔۔ پھر ایک موڑ پر اس کے اوپر اس کا آ گرنا۔ تب اسے اتنا غصہ کیوں آ گیا تھا۔ اور اب اسے یہ کیا ہونے لگا ہے۔ وہی تو لڑکی ہے۔ وہ مضطرب ہو گیا۔ اسے چلنا چاہیے، واپس چلے جانا چاہیے۔(۳)

اس شخص کے دل میں عجیب سی کشمکش بیدار ہونے لگتی ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی اس کے سامنے ہے۔ کیسے وہ ایک حلوائی کی دکان کے سامنے کھڑا ہے اور اسے بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ اس کا جسم عجیب کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایک خوبرو لڑکی اس کی سامنے کھڑی ہوتی ہے اور اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ بھوک نے اس کا یہ احساس ہی ختم کر ڈالا تھا۔ اس کہانی سے یہ بات سامنے آتی کہ آدمی کو رنج، بھوک اور افلاس میں کوئی رونق، کوئی دلکشی اور یہاں تک کہ حسینہ بھی اچھی نہیں لگتی۔ بھوک انسان کا ہر احساس مٹا دیتی ہے۔

"خوابوں کا صحرا" بھی بیگ احساس کا ایک عمدہ افسانہ ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک شخص کس طرح خواب دیکھتا ہے اور پھر زمانے والے کتنی بے دردی سے اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیتے ہیں۔ بیگ احساس نے اس کہانی میں سماجی رویوں اور حالات وواقعات کی عمدہ عکاسی کی ہے۔ ہمارے سماج میں یہ بات عام ہے کہ ایک لڑکی کتنے اچھے اچھے خواب اپنی آنکھوں میں سجائے اپنے گھر بیٹھی ہوتی ہے۔ بیگ احساس نے اس افسانے میں ایک ایسی لڑکی اور لڑکے کی کہانی بیان کی ہے جن کی منگنی بچپن میں کر دی

جاتی ہے اور وہ اسی بات کو لے کر جوان ہوتے ہیں کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر دی جائے گی۔ یہ بات اکثر انھیں بتائی بھی جاتی ہے کہ ان کا رشتہ بچپن میں ہی طے کر دیا گیا تھا۔ لڑکی کے خیالوں میں بس اس لڑکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا وہ اسی انتظار میں بیٹھی رہتی ہے جب کہ سب کی شادیاں ہو جاتی ہیں ان کے بچے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یونہی انتظار میں بیٹھی رہتی ہے۔ کہانی کا یہ اقتباس نمونے کے طور پر دیکھیے:

> "کتنے ہی نوجوان میرے حسن کو دیکھ کر مچل جاتے ہیں۔ کتنے ہی لڑکوں نے رشتے مانگے اور اب باپ بن گئے ہیں۔ میرے ساتھ والی کتنی ہی لڑکیاں بیاہ دی گئیں۔ مگر میرے ممی ڈیڈی الفاظ اور وعدوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ لوگ کیسے کیسے طریقوں سے سامنے آتے ہیں لیکن ڈیڈی اور ممی متزلزل نہیں ہوتے۔ کسی بھی محفل میں جاتی ہوں تو نوجوان لڑکوں کی مائیں بے قرار ہو کر پوچھتی ہیں اور ممی فخر سے کہتی ہیں ان کا رشتہ تو طے ہو چکا ہے"(۴)

لڑکی چوں کہ چار دیواری میں رہتی ہے اس لیے اس کی دنیا اسی لڑکے سے شروع ہوتی ہے اور اسی لڑکے پر ختم ہو جاتی ہے جس سے اس کی منگنی ہوتی ہے۔ وہ ہر دم اپنی سہیلیوں سے یہی کہتی رہتی کہ ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ لیکن لڑکا چوں کہ باہر کی دنیا میں گھومتا پھرتا ہے، کبھی گھر سے دور تو کبھی شہر سے باہر بھی رہتا ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بات چیت بھی کرتے ہیں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں لیکن اس دوران لڑکا کسی دوسری لڑکی سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ اس بات کا اس لڑکی کو کوئی علم نہیں ہوتا جس سے لڑکے کی منگنی طے ہو چکی ہوتی ہے۔ لڑکا اس لڑکی کی منتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ اس نے شادی اسی سے کرنی ہے نہیں تو وہ کودکشی کر لے گا وہ ہرگز اس لڑکی سے شادی نہیں کرے گا جس کے ساتھ اس کا رشتہ بچپن ہی میں طے ہو چکا ہوتا ہے۔ بیگ احساس نے اس کہانی میں ان دو کرداروں کے بیچ اس طرح کی کشمکش پیدا کر دی ہے۔

مصنف نے افسانے میں اس لڑکی کی محبت اور کالج کی زندگی کو بیان کیا ہے۔ ان کی زندگی کتنی دلکش اور خوبصورت تھی۔ لڑکے کے والدین اسے بہت سمجھاتے ہیں کہ ایک لڑکی سالوں سے اس کا انتظار کر رہی ہے اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی شادی کسی اور سے کر دی جائے۔ لیکن وہ لڑکا بضد ہوتا ہے کہ وہ اب دوسری لڑکی سے محبت کرتا ہے اور اسی سے شادی کرے گا۔ اس کہانی میں بیگ احساس نے اس پہلو کی عکاسی کی ہے کہ انسان کے مقدر اس کو کس طرف سے کس طرف لے جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ حالات ،رویے اور جذبات بدل جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرتی رسم ورواج انسان کی زندگی میں کس طرح حائل ہوتے ہیں۔ اس لیے بچوں کی بچپن میں منگنی کر دینا کسی طور بھی مناسب نہیں کیوں کہ بڑے ہو کر ان کی ترجیحات ،معیار اور طرز زندگی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بچپن میں طے کیے ہوئے رشتے اکثر ٹوٹ جاتے ہیں۔ یوں بہت سے مسائل ،مشکلات اور ذہنی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دو خاندانوں اور دو زندگیوں میں بے سکونی جنم لیتی ہے۔ خون کے رشتے دور ہوتے ہیں۔ بیگ احساس کا یہ افسانہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں زبردست انداز میں معاشرتی حقیقت کی عکاسی ملتی ہے۔

بیگ احساس کا افسانہ "تنکا اور طوفان" میں حیدرآباد کی تہذیب اور طرز معاشرت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آج کے دور میں عورتوں نے ایسے ایسے لباس زیب تن کر لیے ہیں کہ ایک عزت دار آدمی کا دل بھی بے قابو ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسی حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے کہ آدمی حیران اور پریشان ہو جاتا ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے ایک ایسے ہی موضوع کو بیان کیا ہے۔ ایک آدمی بس میں

سفر کر رہا ہوتا ہے۔ بس میں بہت رش ہوتا ہے۔ سواری کے ساتھ سواری کھڑی ہوتی ہے۔ ایسے میں ایک لڑکی سیدھا اس شخص کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں یہ نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> "وہ پہلے ہی اسٹینڈنگ میں تھا۔ وہ لڑکی اگلے دروازے سے سیدھے چلی آئی اور ٹھیک اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بس جب فل پیک ہو گئی تو چل پڑی۔ وہ بالکل قریب آ گئی تھی لڑکی کے بدن سے اٹھنے والی مہک اور میل اپ نے اسے جائزہ لینے پر مجبور کیا۔ لڑکی خوبصورت تھی۔ چہرے کے نقوش اتنے جاذب نظر نہ تھے۔ جتنا دلکش اس کا بدن تھا۔ سیاہ ساڑی اور اسی رنگ کے بلاؤز میں وہ بہت پر کشش لگ رہی تھی۔ چست بلاوز اس کے کسے ہوئے بدن اور سرکش جوانی کو ڈھانکنے میں بے بس نظر آ رہا تھا۔"(۵)

دراصل اس افسانے میں بیگ احساس نے معاشرتی اقدار کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے بدلتی ہوئی معاشرتی قدروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آج کل فیشن کے نام پر ہمارے معاشرے میں جو عریانی اور فحاشی چل رہی ہے مصنف نے اس لڑکی کے لباس کے ذریعہ سے بیان کی ہے۔ اس فیشن کے زمانے میں پیدا ہونے والے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب وہ لڑکی اس شخص کے قریب آکر کھڑی ہوتی ہے تو اس کا انگ انگ الگ الگ نقش ابھارنے لگتا ہے۔ اس نے کالے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی ہوتی ہے۔ اس کی خوبصورتی دیکھ کر اس کا دل بے قابو ہونے لگتا ہے۔ وہ اس لڑکی کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ وہ ایک دفعہ تو اسے روک کر کہتی ہے کہ مسٹر اپنی حد میں رہیے۔ اس بات پر وہ شرمندہ ہو جاتا ہے کیوں وہ لوگوں کی نظر میں تو بہت شریف ہوتا ہے۔

بیگ احساس نے اس کہانی میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ہمارے اندر کس طرح سے شہوت پرستی بھری ہوئی ہے۔ معاشرے میں شریف آدمی بھی کتنا کم تر ہوتا ہے اور اسے اس کی شرافت بھی کئی برے کاموں سے روکے رکھتی ہے۔ جب وہ لڑکی اسے روکتی ہے تو وہ بس میں نگاہ دوڑاتا ہے تو بس میں اس کے ساتھ آفس میں کام کرنے والے دو آدمی بھی سفر کر رہے ہوتے ہیں۔ اب اس کے ڈوب جانے کا مقام ہے۔ وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ان لوگوں کے سامنے اس کا ایک خاص وقار اور احترام ہوتا ہے جو اب خاک میں ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کہانی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ معاشرے میں عام طور پر دو طرح کی عورتیں ہوتی ہیں ایک وہ جن کی آدمی دل سے عزت کرتا ہے اور دوسری وہ جن کو گلے لگانے کو جی کرتا ہے۔ اس طرح سفر اختتام پذیر ہوتا ہے اور وہ بس سے اتر جاتا ہے اور وہ لڑکی بھی بس سے اتر جاتی ہے۔ اور وہ لڑکی اس کے پیچھے پیچھے آوازیں دیتی ہے اور وہ ڈر جاتا ہے کہ کہیں وہ اس کے خلاف درخواست نہ دے دے۔ وہ بھاگنا چاہتا ہے لیکن اس کے قدم اجازت نہیں دیتے اور اس طرح وہ لڑکی پاس آکر کہتی ہے آپ میرے گھر آیئے اور فون کر کے آنا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "کیا سنوں، حد ہو گئی پاگل پن کی۔ عزت کے پرخچے اڑا کر رہ جائے۔ اگر کوئی دیکھ لیتا میں بھی بدنام ہو جاتی۔ اور آپ بھی۔ گھر آیئے لیکن آنے سے پہلے فون کرنا نہ بھولیے۔ میں مصروف رہتی ہوں۔ آج بھی مصروف ہوں۔ ورنہ ضرور چلتی۔ میں ایک را ت کے دو سو روپے لیتی ہوں۔ وہ ششدر رہ گیا۔ لڑکی نے گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روکا اور سوار ہو گئی۔"(۶)

اس افسانے نے مصنف نے یہ بات بتائی ہے کہ ہمارے معاشرے کو کس طرح سے خراب کیا جارہا ہے۔ ہمارا معاشرہ اخلاقی قدروں کی پامالی کی طرف جارہا ہے۔ڈاکٹر بیگ احساس کا دوسرا افسانوی مجموعہ "حنظل" مکتبہ شعر و حکمت، حیدر باد سے دسمبر 1993ء کو شائع ہوا۔ اس مجموعے کی تمام کہانیاں اپنے اندر منفرد موضوعات کو سموئے ہوئے ہیں۔ بیگ احساس کے افسانوی مجموعہ "حنظل" میں کل 12 افسانے شامل ہیں۔ ان میں "پناہ گاہ کی تلاش"، "میوزیکل چیئر"، "کرفیو"، "اجنبی اجنبی"، "ملبہ"، "سوا نیزے پہ سورج"، "بے سورج آسماں"، "نیا شہسوار"، "خس آتش"، "سوار"، "حنظل"، "برزخ"، "آسماں بھی تماشائی" شامل ہیں۔

"کرفیو" سماجی حوالے سے ایک عمدہ افسانہ ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے اپنے عہد کے معاشرتی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کرفیو لگانا انسانی معاشرے کے لیے مناسب نہیں۔ یہ انسانی وقار کے خلاف ہے کیوں کہ اس سے آدمی پر پابندیاں لگادی جاتی ہیں۔ کرفیو انسانی عظمت اور تقدس کے منافی عمل ہے۔ جب سے کرفیو لگا ہے شہر میں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے زندگی ہراساں ہوگئی ہے۔ زندگی پر خوف نے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ شہر میں ہر کہیں چوک چوراہوں میں وحشت ناچ رہی ہے۔ ایسے منظر میں ایک خوبصورت عورت بڑبڑائی اور ایک خاص انداز سے سامنے آئی۔

بیگ احساس نے افسانہ "کرفیو" میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انسانوں نے شہر کی عمارتوں میں جنگل کا قانون بنالیا ہے۔ وہ اسی خوف میں اپنے گھر سے باہر آجاتی ہے۔ کیوں کہ کئی دنوں سے اس کا شوہر گھر نہیں آیا۔ اس جوان عورت کا شوہر لاپتا ہے وہ اس کی تلاش میں کرفیو کی پابندی کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ کیوں کہ اس کا شوہر مسلسل گھر سے غائب رہتا ہے۔ جیسے ہی وہ باہر آتی ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ باہر تو شہر بھر میں کرفیو ہے جتنے دن کرفیو ہے اتنے دن وہ سرکاری آفیسر کی رہائش گاہ پر قیام کرلے جیسے ہی کرفیو ختم ہوگا اس کا شوہر بھی گھر واپس آجائے گا۔

شادی سے پہلے اس عورت کی کئی مردوں سے دوستی تھی وہ آفس میں کام کرنے والے مردوں کے ساتھ باہر گھومنے اور کھانا کھانے بھی چلی جاتی تھی۔ اسے اجنبی آدمیوں سے کبھی خوف نہیں آتا تھا۔ یعنی اسے شریف طبع شخص سے کوئی خوف نہیں آتا تھا۔ جو اسے آہستہ آہستہ چاہتا وہ اسے پسند بھی کرتی تھی۔ وہ ایسے مردوں کو پسند نہیں کرتی تھی جو عورت کو دیکھتے ہی جانور بن جاتے ہوں۔ جو شخص اسے متاثر کرتا ہو وہ اسے پسند کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ آفیسر کے ساتھ رہی تو اس کے خاندان کے ساتھ رمی کھیلے گی لیکن جیسے ہی وہ اندر سے خود چائے لے کر آیا تو فوراً سمجھ گئی کہ وہ گھر میں اکیلا ہی رہتا ہے۔

اس کرفیو پھنسی لڑکی نے آخر کار اس مرد کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیے اور جھولا چھوڑ کر اس آفیسر کے ہاتھوں میں جھول گئی اس کے جسم کا کرفیو ٹوٹ چکا تھا۔ اور اپنا سب کچھ اس آفیسر کو پیش کر چکی تھی۔ اس لڑکی نے آخر کار اس مرد کے ہاتھ تھام لیے۔ یہاں کرفیو ایک علامت ہے۔ یعنی لڑکی کا جسم کرفیو میں تھا جو بالآخر اس آفیسر کے ہاتھوں ٹوٹ چکا تھا۔

بیگ احساس کا افسانہ "میوزیکل چیئر" ایک عمدہ کہانی ہے۔ سخت دھوپ کی وجہ سے سڑک اژدھا کی طرح پھنکار مارنے لگتی ہے تو دور موڑ کا منظر دھندلا گیا ہے۔ اس دھندلے منظر سے ایک بس دھند کو کاٹتے ہوئے نکلتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی موٹا سرخ کپڑا اڑ کر اژدھا کی پیٹھ پر رینگ رہا ہو۔ اس نے میوزیکل چیئر کے کھلاڑی کی طرح بڑی پھرتی سے ایک سیٹ پر قبضہ جمالیا۔ تاخیر سے آنے والے اسے آرام سے سیٹ پر بیٹھا دیکھ کر پریشان ہوگئے لیکن وہ خود بھی وہاں بیٹھا مطمئن نہیں تھا۔

بیگ احساس کا افسانہ "میوزیکل چیئر" بس کے ایک سفر کی کہانی ہے۔ کہانی کا راوی اس بس میں سفر کرتا ہے۔ وہ ایک سیٹ پر بیٹھا خود کو میگزین کے مطالعہ میں مصروف کرلیتا ہے تاکہ کوئی زنانہ یا بزرگ سواری اس سے سیٹ کا مطالبہ نہ کردے۔ کچھ ہی دیر میں

بس ایک جگہ رکی تو بہت سی دیہاتی عورتیں بس میں سوار ہو گئیں اور اس کی سیٹ کے ساتھ چمٹ گئیں۔ وہ ذرا چونک گیا ایک دیہاتی عورت چھوٹی سی مریل سی لڑکی گود میں اٹھائے راوی سے سیٹ کا مطالبہ کرنے لگی۔ اس نے حقارت سے گھور کر اس عورت کو دیکھا کہ یہ کیسی جاہل ہے اسے میوزیکل چیئر کے اصولوں سے بھی واقفیت نہیں اس ضمن میں افسانے کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "ڈھائی برس کی وہ مریل لڑکی بھی اس عورت پر بڑا بوجھ لگ رہی تھی۔ وہ اس بوجھ کو اٹھائے خود کو بس کی رفتار سے ہم آہنگ کرنے اور توازن برقرار رکھنے کی برق رفتاری سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش میں یوں ہی لڑکھڑاتے جی رہے ہیں یہی ان کا مقدر ہے تو پھر وہ کیا کر سکتا ہے۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔۔۔ اس کی سرد مہری سے وہ عورت مایوس ہو گئی اور اس کی سیٹ کی پشت مضبوطی سے تھام کر وہ بڑی حد تک توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔"(۷)

افسانے کے راوی نے لمحہ بھر کے لیے سوچا کہ وہ اس دیہاتی عورت کو سیٹ دے دے۔ لیکن اس نے سوچا کہ اگر اس نے اسے جگہ دی تو اسے میگزین بند کرنا پڑے گا۔ اس طرح وہ علم کی دولت سے محروم ہو جائے گا۔ اس سڑی بسی جاہل عورت کے لیے اسے گھنٹہ بھر کھڑا رہنا پڑے گا۔ اور مسلسل کھڑا رہ کر تھک جائے گا۔ اس کے انکار پر دوبارہ اس عورت نے اسے کہا کہ بابو تھوڑی سی جگہ دے دو بچی کو تیز بخار ہے۔ اس بار راوی نے اس عورت کے لیے سیٹ دے دی اور خود ایک صحت مند اور صاف ستھری عورت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عورت بظاہر تو اسے تر و تازہ لگ رہی تھی لیکن برف کی طرح ٹھنڈی تھی۔ اس نے اس خوش لباس عورت کی عریاں کمر پر نظریں جما دیں۔ اس بیمار بچی نے عجیب طرح کی آوازیں نکالیں کیونکہ اس کے پیٹ میں کچھ نہیں تھا۔ اسے سخت بھوک لگی تھی لیکن وہ دودھ نہیں پی رہی تھی۔ جب وہ بچی رونے لگتی تو وہ دیہاتی عورت بلاؤز ہٹاتی اور لٹکتی ہوئی چھاتی اس کے منہ میں ٹھونسنے لگتی لیکن اس بچی نے دودھ کو منہ نہیں لگایا۔ کہانی سے ایک اقتباس دیکھیے:

> "ٹکٹ، کنڈکٹر اس دیہاتی عورت سے پوچھ رہا تھا۔ دواخانہ جانا ہے۔ دیہاتی عوت نے چھاتی ڈھانکے بغیر کہا۔ لڑکی ہچکیاں لینے لگی تھی۔ بار بار اس طرح منہ کھولتی جیسے زندگی کی ایک بوند کی تلاش ہے۔ اژدہے کی لمبائی ابھی باقی ہے۔ دواخانہ تو بہت دور ہے لمحوں کا زہر قطرہ قطرہ بن کر ٹپک رہا ہے۔ چھپکلی کی دم ناچنے لگی۔ میلا کچیلا سا کپڑا سرکا۔ بہت سے گدھ ایک ساتھ اڑے کریہہ منظر تھا۔ زخموں سے بہتی پیپ کولھوں کے ابھار پر جم گئی تھی۔ عورت نے لڑکی کو کندھے سے اتار کر گود میں لٹایا تو چھپکلی کی دم بے حس ہو گئی تھی۔"(۸)

راوی جس عورت کے قریب کھڑا تھا وہ بس کی سب سے خوبصورت عورت تھی۔ اس عورت کی بلاؤز اور بریزیر قیمتی تھا اور اس کی چھاتیاں بھی خوب بھری بھری تھیں۔ وہ بیمار بچی اگر اس عورت کی چھاتی سے دودھ پی لیتی تو ضرور صحت مند ہو جاتی۔ اس عورت کا صحت مند فگر یہی بتا رہا تھا کہ اس نے بھی اپنے بچوں کو کم ہی چھاتی سے لگایا ہو گا۔ کیوں کہ فگر ہی آج کی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس عورت کا خوبصورت فکر آنکھوں میں تیز دھار خنجر کی طرح کھب جانے والا تھا اور رگوں میں دوڑنے والے آتشیں سیال

کی طرح تھا۔ باہر سخت دھوپ تھی اور اسی چلچلاتی دھوپ میں ان دیہاتیوں نے لڑکی کو بس سے اتارا اور دواخانے کی طرف چل پڑے۔ دواخانہ قریب ہی تھا لیکن وہ اکڑی ہوئی لڑکی کو دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ان کی امید کی بکھری ہوئی کرچیوں نے ان کا بدن لہولہو کر دیا تھا۔ بس میں سوار تمام مسافروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا زندگی کا ساز چھناکے سے تھما تھا۔ لیکن میوزیکل چیئر خالی پڑی تھی۔

سارا منظر خاموشی میں لپٹا ہوا تھا جیسے سب کچھ منجمد ہو گیا ہو ساری متحرک تصویریں رک گئی تھیں۔ ایسے منظر میں ایک خوبصورت لڑکی دراتی ہوئی آئی اور خالی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ انھوں نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ کسی نے بھی اس لڑکی کو اس سیٹ پر بیٹھنے سے نہیں روکا کہ اس سیٹ پر موت کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ بیگ احساس کا تیسرا افسانوی "دخمہ" کے نام سے عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی سے 2015ء میں شایع ہوا۔ اس میں کل گیارہ افسانے ہیں۔ کتاب کا انتساب مصنف نے اپنے والد محترم مرزا خواجہ حسن بیگ کی نذر کیا ہے۔ کتاب میں ابتدائیہ کے طور پر مرزا حامد بیگ کا مفصل مضمون شامل ہے۔ کتاب کے پشتے پر گوپی چند نارنگ اور مجتبیٰ حسین کے لکھے گئے فلیپ شامل ہیں۔ اندرونی فلیپ میں مجاور حسین رضوی، مغنی تبسم، بلراج کومل، اطہر جاوید اور نورالحسنین کی آرا دی گئی ہیں۔ کتاب کا سرِ ورق بیگ احساس کی تزئین کا نتیجہ ہے۔ اس افسانوی مجموعے میں "سنگِ گراں"، "کھائی"، "چکرویو"، "درد کے خیمے"، "سانسوں کے درمیان"، "نجات"، "دھار"، "شکستہ پر"، "دخمہ"، "نمی دانم کہ" اور "رنگ کا سایہ" شامل ہیں۔

بیگ احساس کا افسانہ "سنگِ گراں" ایک لڑکے اور لڑکی کی کہانی ہے جو آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت شادی تک پہنچ جاتی ہے۔ افسانے کے یہ دونوں کردار بہت اہم ہیں۔ لڑکے کے پاس چوں کہ رہائش کے لیے ذاتی مکان نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنی محبوب بیوی سے کہتا ہے وہ اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ وقت یونہی گزرتا جاتا ہے ایک دن جب اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو وہ برعکس اور خلاف معمول اپنی بیوی سے اسقاط حمل کا کہتا ہے کہ ابھی ہمارے پاس مکان نہیں اور ہمارے حالات بہتر ہو جائیں گے تب ہم بچے پیدا کریں گے ابھی ہم ان کی کفالت اور پرورش اور تربیت نہیں کر سکتے۔ حالاں کہ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب لڑکے کو اس بات کا علم ہو جائے کہ اس کی بیوی حاملہ ہے اور وہ باپ بننے والا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ وہ اپنی حاملہ بیوی کو دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے پریشان ہو جاتا ہے۔

ہر عورت ماں بننے کی خواہش رکھتی ہے اس لیے وہ لڑکی اپنے حمل کو ضائع نہیں کرانا چاہتی تھی۔ کیوں اسقاط حمل کا فیصلہ کسی بھی عورت کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ "سنگِ گراں" کی عورت کے ساتھ بھی درپیش ہے۔ وہ ہر صورت ماں بننا چاہتی ہے کیوں کہ یہ جذبہ بڑا ہی لطیف ہے۔ لیکن وہ اپنے شوہر کی مجبوریوں کو دیکھ کر دل پر سنگ گراں رکھ کر ہسپتال چلی جاتی ہے۔ وہ تنہا تنہا گھر لوٹ آتی ہے اپنے وجود سے آنے والی زندگی کو اپنے وجود سے الگ کر کے واپس گھر آجاتی ہے۔

اس کہانی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ غیر قانونی، غیر معمولی اور عارضی خوشیوں کے متلاشی لوگوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ وہ مصنوعی نیل پالش سے اپنی خوبصورتی میں اضافہ کرتی اور اسی نیل پالش کی وجہ سے اسے نماز جیسے فریضہ سے نجات مل جاتی۔ اس نے نانی کی نصیحت پر ذرا بھی عمل نہ کیا۔ بل کہ نانی کی وفات کے بعد اس کے ناخن رنگنے کی عادت تیز ہو گئی۔ اسی خوبصورتی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے قریبی پارک میں ایک نوجوان کو اپنا دوست بنالیا اور پھر چھپتے چھپاتے اس سے شادی رچالی۔ پرائیویٹ دفتر میں کام کرنے کی وجہ سے اس کی آمدن اس کے ہاتھ میں تھی اور دفتر جانے کے بہانے رازداری سے وہ شادی کے بندھن میں بندھ گئی۔

شادی کے بعد دفتر میں کام کے دوران اس کو اپنا پیٹ نارمل محسوس نہ ہوا۔ اس کا پیٹ پہلے جیسا نہ رہا۔ اس کے پیٹ کی ابھری ہوئی حالت بتا رہی رہی تھی اس میں شادی کے بندھن سے بندھنے کا ثبوت پل رہا ہے۔

دفتر کے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے لگ گئی تھی۔ وہ شوہر کی رفاقت میں اس لیے رہتی تا کہ اپنے آنے والے مہمان کے بارے میں کوئی گفتگو کی جائے۔ شوہر یہ بھی چاہتا تھا کہ بچہ پیدا ہو لیکن اس کی پیدائش کی خبر کسی کو نہ دی جائے اور بچہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کے حوالے کر دیا جائے تا کہ اس کی پرورش اچھے طریقے سے ہو۔ شوہر اسے اپنے حالات کے بارے میں سب بتاتا ہے کہ ابھی ان کے لیے مناسب نہیں کہ اس بچے کی پرورش کر سکیں۔ افسانے کا اہم کردار وہ لڑکی نہیں چاہتی تھی کہ بچہ کسی کے حوالے کیا جائے اگر وہ بچے کو جنے گی تو اس کی پرورش بھی خود اپنے ہاتھوں سے ہی کرے گی۔

ڈاکٹر بیگ احساس نے اس افسانے میں ایک عورت کی نفسیات کو پیش کیا ہے۔ در حقیقت افسانہ نگار نے اس مادی دور میں صارفیت کے معاملے میں بات کی ہے کہ کس طرح آج کا انسان سہولیات کے حصول کے لیے ہر فطری عمل کو بھی نظر انداز کر جاتا ہے۔ آج کے دور کا انسان اچھی زندگی گزارنے کے لیے فطری زندگی کو بھی خواب کی صورت میں دیکھنے لگ جاتا ہے۔ وہ اپنی فطری زندگی کی خوشیاں بھی اس مصنوعی عیش و عشرت اور خوابوں والی زندگی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ فطری زندگی کے عمل کو رد کر کے عیش و عشرت بھری زندگی اور آسائشوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اس طرح آج کا متوسط طبقے کا شخص اپنی فطری زندگی کی لطافتوں اور لذتوں سے محروم ہو کر تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا ہے۔

بچے کی پیدائش سے متعلق دونوں میاں بیوی میں نا اتفاقی ہو گئی اس صورت حال نے ان دونوں کی زندگیوں میں کھلبلی سی مچا دی تھی۔ دونوں اکثر ایک دوسرے سے دنوں ناراض رہتے، انھیں کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ مستقبل میں کیا کریں۔ وہ لڑکی اس حوالے سے سوچ سوچ کر ڈپریشن میں مبتلا ہو چکی تھی۔ جب بچے کی غائبانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکراتی تو وہ لیڈی ڈاکٹر کی دی ہوئی گولیاں بھی ٹھیک طریقے سے نہ لے پاتی۔ اسے کبھی یوں محسوس ہوتا کہ جیسے ممی۔ ممی کی آوازیں آتیں ہیں لیکن اس کے باوجود اس نے کچھ دنوں بعد مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ایبارشن کرا دے گی۔ آخر کار اس نے لیڈی ڈاکٹر کی منت سماجت کے بعد خود کو ایبارشن کا انجکشن لگوا لیا۔ جیسے ہی انجکشن کا سیال مادہ آہستہ آہستہ اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا تو اسے خیال آ رہا تھا کہ اب اس کا بچہ اس سے جدا ہو جائے گا۔ بچہ ضائع کرانے کے بعد اب اس کی حالت بہتر تھی ایک دن وہ نیل پالش لگانے کے لیے ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی جیسے ہی اس نے نیل پالش کا چھاٹا پرش پھیرا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ تازہ تازہ خون اس کی انگلیوں کو لگا ہے۔ یہ خون اس کی انگلیوں کو زخمی کرے گا اور وہ زار و قطار رونے لگی۔

ڈاکٹر بیگ کا افسانہ "نجات" بھی ایک نفسیاتی کہانی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار فرحان گلف ممالک میں ملازمت کے سلسلے میں مقیم ہے۔ جیسے ہی اس نوجوان کی شادی ہوتی ہے وہ ملازمت چھوڑ کر وطن واپس آ جاتا ہے۔ کیوں کہ کچھ انڈر ورلڈ کے افراد اسے سکون سے نہیں رہنے دیتے۔ اس وجہ سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ دراصل اس کہانی کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ گلف ممالک سے واپس آنے والا شخص اپنے ملک میں مطمئن نہیں ہو پاتا۔ اسے کئی طرح کی اذیتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ گلف میں ملازمت کرنے والے افراد چوں کہ اچھی تنخواہ لے رہے ہوتے ہیں اور اپنے ملک میں کم آمدنی پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ وہاں انھیں بے شمار سہولیات ہوتی ہیں جو یہاں ممکن نہیں۔ یہ بات بھی انھیں پسند نہیں۔ گلف میں وہ عیش و عشرت اور پر آسائش زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں جب کہ یہاں تنگ دستی اور

بد حالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہاں واپس آ کر اپنے خاندان کے دیگر افراد کو بھی ذہنی کشمکش کا شکار کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ اقتباس دیکھیے:

> "کیوں واپس آ گئے تم؟، وہ انڈر والے پیچھے پڑ گئے تھے۔ تم تو جانتے ہو وہ لوگ کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ لیکن انڈر ورلڈ والوں سے تمھارا کیا تعلق؟ جس کمپنی میں کام کرتا ہوں وہ سارے ایک ہی علاقے کے ملازم ہیں۔ انھیں میری موجودگی کھل رہی تھی۔ ممکن ہے انھوں نے ایسا کیا ہو۔ بات ہضم نہیں ہوئی۔ تمھارا ہاضمہ خراب ہے میرا علم بھی یہی کہتا ہے کہ وہاں رکنا خطرناک ہے۔ علم ہاں تم تو جانتے ہی ہو۔ تو بات یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے اندر ایک روحانی طاقت محسوس کر رہا ہے۔ ایسی طاقت جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کر سکتی ہے۔"(۹)

جیسے ہی فرحان کا فون آیا تو کہانی کا راوی چونک گیا کیوں کہ ابھی تو پچھلے ہی ماہ وہ گیا تھا۔ اور فوراً واپس آنے کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ اس کا عاشی کے بغیر رہنا ناممکن سا لگ رہا تھا۔ اس نے فرحان کو کہا کہ تم کیوں واپس آ گئے ہو اس پر فرحان نے کہا کہ شام کو ملنے پر وہ صاف صاف بتا دے گا۔ وہ کیوں مہینے بعد واپس آ گیا ہے۔ وہ انڈر ورلڈ والے پیچھے پڑ گئے ہیں تم تو جانتے ہو کہ وہ کتنے خطرناک لوگ ہیں۔ پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو وہ اپنے اندر ایک روحانی طاقت رکھتا تھا۔ راوی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ شادی کر لے اس طرح اس نے عاشی سے شادی کر لی اور شادی کے بعد وہ اچھے طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ اکثر گھر پر ہی رہتا صرف راوی سے ملنے کبھی کبھار چلا جایا کرتا تھا باقی سارا وقت اپنی بیوی کے ساتھ کمرے میں گزارتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے سارے دوست بھی ناراض ہو گئے تھے۔ جب وہ ایک ماہ کے اندر اندر ہی گلف سے واپس آ گیا تو راوی نے سوچا شاید وہ اپنی محبوب بیوی عاشی کے عشق کی وجہ سے واپس آ گیا ہے۔

وہ مختلف دوستوں اور رشتہ داروں سے ملتا رہا کسی نے موت کی پیش گوئی کر دی تھی۔ کبھی وہ دعائیں کرتا اور کبھی بے جا تقریر شروع کر دیتا اس لیے لوگ اس سے کترانے لگے۔ ایک روز راوی کو آنٹی کا فون آیا کہ فرحان اچانک بے ہوش ہو گیا ہے۔ اسے ہسپتال لے جایا گیا اور دوائیاں اور انجکشن لگے تو وہ ہوش میں آیا۔ ایک رات جب وہ عاشی کے ساتھ اکیلا بیٹھا تھا تو اس نے اچانک چلانا شروع کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ عاشی کے ساتھ نہیں رہے گا۔ اس کی ماں نے اسے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ انھوں نے اسے بہت سمجھایا تو وہ سو گیا۔

اگلے روز فرحان، عاشی کے بھائی سے کہنے لگا کہ سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ بے روزگار ہے۔ اس ردعمل پر آنٹی نے کہا کہ ہم سارے ہیں تو کیوں پریشان ہے۔ وہ کہنے لگا آپ خاموش رہیے میں ایسی کمائی کا ایک روپیہ بھی نہیں لینا چاہتا۔ کیسی کمائی اس کی بیوی عاشی کے بھائی کو اس بات پر غصہ آ گیا۔ وہ اس کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھانے لگا تو راوی نے اسے روک لیا۔ اس بات پر عاشی کا بھائی عاصم سخت غصے میں تھا اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "میں بہت دیر تک عاشی اور فرحان کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ ڈھونگ کر رہا ہے؟ اپنی بیوی سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کیوں؟ کیا وہ جنسی اعتبار سے ناکام ہے۔ لاشعور میں کوئی خطرہ تو نہیں کہ اس کی ناکامی اس کی بیوی کی آبرو باختہ بنا دے گی؟ کوئی

ڈپریشن تو نہیں، فرسٹریشن تو نہیں۔ کثرت سے بلو فلمیں دیکھنے کو نتیجہ تو نہیں۔ اور عاشی ؟ ایک ہندوستانی عورت مثالی بیوی۔۔۔ جو ڈولی میں بیٹھ کر سسرال آتی ہے اور اس کا جنازہ ہی وہاں سے نکلتا ہے۔ مجازی خدا پتی پرمیشور، پتی کی چرنوں کی داسی، پتی کے پیروں کی دھول سے مانگ سجانے والی، اگر سجدہ جائز ہوتا تو شوہر کو کیا جاتا۔۔۔۔"(۱۰)

اس کا علاج چلتا رہا دوائیاں لینے کی وجہ سے اب وہ کسی قسم کا ہنگامہ نہیں کرتا تھا۔ اس کی یاداشت ختم ہو گئی تھی۔ اس کے دماغ میں ساری پرانی باتیں اب نہیں رہی تھیں۔ ڈاکٹر کے مطابق اسے ٹھیک ہونے میں چھ ماہ لگ سکتے ہیں۔ ایک دن عاشی کا فون آیا کہ فرحان اب صحت یاب ہو چکا ہے۔ وہ اب کہیں ملازمت تلاش کر رہا ہے۔ عاشی کہنے لگی اب وہ فرحان کے ساتھ نہیں رہے گی۔ راوی کے استفسار پر کہ تم نے تو نازک وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا اب تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ عاشی نے کہا کہ وہ ویسی کی ویسی ہی رہی۔ کیوں کہ پہلے وہ دیوانگی کی وجہ سے اس سے دور رہتا تھا اور اب شرمندگی اور احسان مندی کی وجہ سے دور رہتا ہے۔ س لیے وہ اسے اس عذاب سے نجات دلانا چاہتی ہے۔ عاشی نے بس اتنا ہی کہا اور فون رکھ دیا۔

ڈاکٹر بیگ احساس کا یہ افسانہ نفسیاتی نوعیت کا ہے جس میں ایک سماجی حقیقت نگاری کی گئی ہے۔ اس میں ایک نوجوان لڑکے اور لڑکی کی کہانی حقیقی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ایک ملازمت چھوڑنے سے فرحان کی ذہنی حالت بدل جاتی ہے۔ وہ گلف سے واپس آتے ہی ذہنی الجھن اور دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ذہنی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں جس کا علاج کرایا جاتا ہے۔ اس ساری صورت حال میں اس کی بیوی عاشی یہ سب کچھ سہتی ہے۔ لیکن وہ جیسی تھی ویسی ہی ادھوری رہتی ہیں۔ اس کی خواہشات کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ فرحان سے الگ ہونا چاہتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں کہ شادی کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کرتے اور بالآخر نوبت علاحدگی تک پہنچ جاتی ہے۔

ڈاکٹر بیگ احساس کا افسانہ "سانسوں کے درمیاں" کی کہانی انسانی رشتوں کی پامالی کو بیان کرتی ہے۔ مصنف نے اس کہانی میں انسان کے ابھرتے اور ڈوبتے جذبات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی زندگی کا دارومدار سانس پر ہے۔ اسی طرح انسان آس پر قائم ہے۔ انسان کی سانس رکتے ہی سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں۔ آدمی کی سانس ہی سارا کچھ ہے۔ زندگی کا سارا نظام سانس کی روانی سے ہے۔

یہ ایک علامتی کہانی ہے یہاں سانس سے مراد روپیہ پیسہ بھی ہے۔ جیسے ہی آدمی کے پاس سے روپیہ ختم ہوتا ہے سارے رشتے دار اس سے تعلق ختم کر لیتے ہیں۔ انسان کے پاس پیسہ ہو تو سارے اس کے رشتے دار اور دوست بنتے ہیں۔ مصیبت میں اور غربت میں کوئی بھی اس کا بننے کو تیار نہیں ہوتا۔ موجودہ دور میں رشتے اور تعلق پیسے کی بنا پر قائم ہیں۔ آدمی سے اگر کوئی محبت کرتا ہے تو وہ بھی پیسے کی وجہ ہی سے کرتا ہے۔ اس کی وفاداری اور خلوص کے معیار کا ثبوت پیسہ ہی ہے۔ جب آدمی کے پاس مال و دولت ہوتا ہے تو سب اس کے رشتے دار اور سارے اس کے دوست ہوتے ہیں۔ جب کسی کے پاس پیسے نہ رہیں تو اپنے بھی پرائے بن جاتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں انسانی رویوں اور ضابطوں کا یہ معیار ہے کہ جیسے سانسوں کا ربط انسانی زندگی کے ساتھ ہے ویسے ہی پیسے کا تعلق ہمارے اخلاق کے ساتھ ہے۔

"شام میں تمام رشتہ دار اکٹھا ہوئے تو اس نے مسئلہ چھیڑا۔ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ جو پیسہ دے سکتے تھے وہ پہلے دے چکے تھے۔ دوسرے اس جھمیلے میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔

آفس سے جتنے لون مل سکتے تھے وہ پہلے ہی لے چکا تھا۔ ریاض والے بھائی نے ابا کی طبیعت پوچھنے کے لیے روز کی طرح فون کیا تو اس نے سچویشن بتائی۔ اس نے بھی مجبوری کا اظہار کیا۔ اب ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ ابا کو گھر واپس لے جائے۔ سب نے یہی کہا تھا کہ وہ جو مناسب سمجھے کرے۔۔۔۔بڑی بہن چاہتی تھیں کہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کام ہو۔۔۔۔وہ ڈاکٹر سے ملا۔ڈاکٹر نے کہا کہ صرف دو دن اور صبر کر لے ۔۔۔ آبزرویشن ختم ہو جائے گا۔ ان ہسپتالوں کے بارے میں اس نے کیا کیا نہیں سن رکھا تھا۔ جب تک ہزاروں کا بل نہیں بن جاتا وہ کسی پر رحم نہیں کرتے۔"(۱۱)

ڈاکٹر بیگ احساس کا افسانہ "سانسوں کے درمیاں" صیغہ غائب میں بیان کیا گیا ہے جس میں مرکزی کردار کا کوئی نام نہیں۔ صرف ایک میاں بیوی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ شہر کے کسی ہسپتال میں ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ اپنے والد کو علاج کے داخل کراتا ہے۔ وہ نہایت غریب ہوتا ہے کہ لیکن اپنی غربت چھپانے کے لیے امیروں جیسے کپڑے، کھانے اور اطوار اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ تین دن تک ہسپتال رہتا ہے اور سب لوگوں سے ادھار مانگ مانگ کر اپنے باپ کا علاج کراتا ہے۔ اس دوران جب اس کے رشتے اور دوست اس کے والد کی بیمار پرسی کے لیے ہسپتال آتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ امیرانہ طرز پر ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہے۔ خود بھی عیاشی کرتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی عیاشی کراتا ہے تاکہ دیکھنے والے لوگ اسے امیر سمجھیں۔ اس طرح تین ہی دنوں میں وہ اپنی ساری جمع پونجی خرچ کر بیٹھتا ہے۔

یہ نفسیاتی نوعیت کا افسانہ ہے جو لاتعلقی اور انتشار کی فضا قائم کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک غیر حقیقی بدلی ہوئی ذہنی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ کردار اندرونی، الجھنوں، جذباتی کیفیت اور تنازعات کا شکار ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار کے ذریعے بیگ احساس نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ آدمی کی قدر واہمیت پیسے کی وجہ سے ہے۔ جب آدمی کے پاس پیسہ ہوتا ہے تو سارے ہی اس کی قدر کرتے ہیں۔ تمام دور کے رشتے دار بھی اس کے قریب کے ہوتے ہیں اور جب اس کے پاس پیسہ نہیں رہتا تو سارے ہی اس سے دامن بچا کر گزرتے ہیں۔ سب اس سے پرے پرے رہتے ہیں۔ جب افسانے کے مرکزی کردار کے پاس پیسے تھے تو عیادت کے دوران بھی عیاشی ہوتی تھی۔ بچوں کو شاپنگ کرائی جاتی تھی۔ ان کو فائیو سٹار ہوٹلوں میں دعوتیں دی جاتی تھیں۔ لیکن جیسے ہی اس کے پاس سے پیسے ختم ہو گئے تو بیمار پرسی کرنے والی بھی کم ہو گئے۔ رفتہ رفتہ لوگ تیمار داری کے لیے آنا چھوڑ گئے اور اس پر اپنی مصروفیت کا بہانہ بناتے۔ وہ اب خیریت بھی معلوم کرنے سے کتراتے تاکہ کہیں وہ ان سے پیسے ہی نہ مانگ لے۔

اس افسانے کا مرکزی پیغام یہی ہے کہ انسان کی سانس کی ڈوری سلامت ہے تو سارے اس کے ہیں جیسے ہی یہ ڈوری ٹوٹتی ہے تو اس کو دفن کر کے سارے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ ویسے ہی جب آدمی کے پاس پیسے ہوتے ہیں تو سارے اس کے اپنے لیکن جب ختم ہو جائیں تو سب پرائے بن جاتے ہیں۔ اس دنیا میں آدمی کا تعلق سانس اور پیسوں سے ہے۔ ڈاکٹر بیگ احساس نے اس افسانے میں ایک تلخ حقیقت کو کنائے کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ یہ ہمارے سماجی رویوں اور معاشرتی زندگی کا المیہ ہے۔

بیگ احساس کی افسانہ نگاری کا فنی جائزہ لیا جائے تو انھوں نے افسانے لکھنے کے لیے جو تکنیکیں استعمال کی ہیں ان میں بیانیہ انداز، تشبیہ، استعارہ / پیکر تراشی، تجزیاتی اور سائنٹفک پیرایہ بیان، منظر کشی، حقیقی تخیل، نئے اور دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال، علامت نگاری، تلمیح، کردار اور مکالمہ نگاری شامل ہیں۔ ان کا اسلوب ان کی اختراع ہے انھوں نے روایت کی پاسداری کی ہے اور نہ ہی

جدت کی تقلید میں افسانے لکھے ہیں۔ انھوں نے اپنی فنی صلاحیت اور کردار سے کم اور فضا سے زیادہ کام لیا ہے۔ ان کے افسانے ان کی فنی مہارت کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ ہر دم تخیل اور فکر زمینی حقائق سے باندھے رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں وہ فنی خوبیاں استعمال کی ہیں جن کا استعمال ایک افسانہ نگار تواتر کے ساتھ کرتا ہے۔ بیگ احساس کے افسانوں کا فنی تجزیہ کرتے ہوئے وراث علوی لکھتے ہیں:

> "ان کے یہاں اختصار اجمال کا حسن رکھتا ہے۔ ان کے یہاں ایک واقعہ ایک تفصیلی جملہ اور ایک لفظ بھی بھرتی کا نہیں ملے گا۔ ان کے ایجاز اور منٹو کے ایجاز میں بڑی مماثلت ہے۔ لیکن ایجاز کا یہ سبق سیکھنے کے لیے کم از کم افسانہ کے کینوس میں مماثلت ہونا ضروری ہے۔ بیگ احساس کا افسانہ خود اپنا ہے۔ اس پر ان کی انفرادیت کی چھاپ بھی ہے اور اس کے موضوعات مسائل اور پس منظر اس دور کا عطیہ ہیں جس میں ان کا شعور پروان چڑھا ہے اور جو منٹو، بیدی اور عصمت کے دور سے مختلف ہے۔ بیگ احساس کی انگلیوں کے نیچے ان کے زمانے کی نبض دھڑکتی ہے۔ اجمال کے ساتھ ان کی دوسری اہم صفت جو ان کی انفرادیت کی ضامن ہے ان کا اسلوب ہے۔"(۱۲)

افسانہ چوں کہ معاشرت کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لیے بیگ احساس کے افسانوں میں ہندوستانی تہذیب کو پیش کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو کردار بھی ملتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں جداگانہ فضا اور عصر حاضر کا ادراک اور فراست کا امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں مقامی لہجہ تو نہیں بدلا اور حیدرآبادی انگ دکھائی دیتا ہے۔ ان کے افسانوں کے پلاٹ مضبوط اور مربوط ہیں۔ ان کی ساری کہانیوں میں ایک ترتیب اور توازن موجود ہے۔ وہ معلومات اور واقعات کو افسانوی ڈھنگ میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں کردار اور منظر نگاری عمدہ ہے۔ ان کے ہاں جذبات نگاری بھی ملتی ہے جو افسانے میں دلچسپی اور خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ ان کے افسانوں میں مکالمہ نگاری اور شخصیت نگاری بھی کی گئی ہے۔ وہ شخصیت کے مطابق مکالمے بناتے ہیں اور مرد اور عورت کی شخصیت کے مطابق پیکر تراشی کرتے ہیں۔

بیگ احساس نے افسانوں میں عمدہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ ان کا اسلوب بھی قارئین کو متاثر کرتا ہے۔ ان کے اسلوب میں ہندی الفاظ کا بے دریغ استعمال ملتا ہے۔ ان کا تعلق ہندستان سے ہیں اس لیے وہاں کی زبان کا اثر ان کے افسانوں میں ملتا ہے۔ انھوں نے اختصار سے بھی کام لیا ہے۔ ان کے افسانے زیادہ طویل نہیں۔ ان کے افسانوں میں بھرپور زندگی نظر آتی ہے۔ بیگ احساس نے بہت زیادہ مختصر جملے استعمال کیے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں تازگی اور سادگی کا عنصر غالب ہے۔ ان کے کئی افسانے استعاراتی اور علامتی رنگ میں پیش کیے گئے ہیں۔ ان کا افسانہ "دخمہ" ایک علامت ہے۔ اس میں پارسیوں کے قبرستان، ان کی نعشوں کو گدھوں کے لیے دخمہ کی چھت پر ثواب کی نیت سے رکھنا جیسے عمل کی علامت نگاری کی گئی ہے۔ بیگ احساس نے تہذیبی اقدار کو فنی اجزا کی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں رضوانہ پروین رقم طراز ہیں:

> "افسانہ نگاری کا فن چاول پر قل ھو واللہ لکھنے کے مترادف ہے۔ اس میں وہی فنکار کامیاب ہو سکتا ہے جسے معاشرے کے نبض کا اندازہ ہو۔ تاکہ وہ اس نبض کی سرسراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کو بیان کر سکے۔ اس معاملے میں بیگ احساس کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مسئلے چاہے وہ سیاسی ہوں یا

مذہبی یا کہ معاشرتی اشارے کنائے کا سہارا لے کر اس خوبصورتی سے پیش کر جاتے ہیں
کہ بات بھی کہہ دی گئی اور بات بگڑی بھی نہیں۔"(۱۳)

بیگ احساس کے افسانوں میں تکنیکی تنوع موجود ہے۔ ان کی زبان دکنی آمیز ہے لیکن ان کے لہجے میں دکنی غلبہ دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے افسانے سادہ اور رواں ہیں۔ ان کو کردار نگاری کا فن معلوم ہے۔ ان کے کردار حقیقی دنیا سے لیے گئے ہیں۔ ان کے ہاں جملوں کا استعمال بڑا پختہ ہے۔ ان کی کہانیوں کی بنیادوں میں جگہ جگہ فن کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ ان کے افسانوں کے پلاٹ بہت جاندار اور مربوط ہیں۔ اس میں کہانی میں واقعات کی ترتیب و توازن اور آغاز وارتقا میں ربط پایا جاتا ہے۔ وہ خود افسانے کے ناقد ہیں اس لیے فنی حوالے سے سچے فنکار کی طرح فکشن نگاری کرتے ہیں۔ اس بارے میں اقبال متین لکھتے ہیں:

"بیگ احساس کو کہانی کے برتنے کا سلیقہ بھی آتا ہے اور کہانی بننے کا گر بھی وہ جانتے ہیں۔
عصری حسیت کا ادراک ان کی کہانیوں کو افسانویت سے الگ نہیں کرتا۔ ان کے پیرایہ
اظہار کا یہ بھی ایک وصف ہے۔"(۱۴)

بیگ احساس نے اپنے افسانہ "تیرگی کا سفر" میں جزئیات نگاری کے فن کو ثابت کر دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ قاری کو سارے منظر دکھا کر خود خاموش رہتے ہیں۔ "پناہ گاہ کی تلاش" ایک تہہ دار افسانہ ہے۔ وہ علامت نگاری میں بھی کہانی کی روایت کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے متعدد افسانوں میں حقیقت پسندانہ اسلوب ملتا ہے۔ ان کے افسانے "دخمہ"، "نمی دانم کہ"، "دھار"، "سانسوں کے درمیان"، "کھائی" اور "شکستہ پر" حقیقت پسندانہ اسلوب کے حامل ہیں۔ بیگ احساس افسانوں میں اپنی بات آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ ان کے افسانے قاری لطف وانبساط دیتے ہیں۔ بیگ احساس نے بیانیہ، علامتی اور تمثیلی کہانیوں میں فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ بیگ احساس کی افسانہ نگاری میں سماج کے مختلف موضوعات کو پیش کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال متین، مضمون، خوشہ گندم از بیگ احساس، حیدرآباد: انجمن معمار ادب، ۱۹۷۹ء، ص:۱۱
۲۔ بیگ احساس، ڈاکٹر، "خوشۂ گندم"، آندھرا پردیش: اُردو اکیڈمی، ۱۹۷۹ء، ص:۱۷۔۱۸
۳۔ ایضاً، ص:۲۵
۴۔ ایضاً، ص:۳۲
۵۔ ایضاً، ص:۴۴
۶۔ ایضاً، ص:۵۲
۷۔ بیگ احساس، حنظل، آندھرا پردیش حیدآباد: اردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص:۲۲
۸۔ ایضاً، ص:۲۵
۹۔ بیگ احساس، دخمہ، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۸۸۔۸۹
۱۰۔ ایضاً، ص:۹۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۸۵

۱۲۔ وارث علوی، مضمون، ماہنامہ چہار سو، راولپنڈی، جلد 27، شمارہ، مئی، جون ۲۰۱۸ء، ص:۲۲

۱۳۔ رضوانہ پروین، مضمون، ماہنامہ چہار سو، ص:۳۹

۱۴۔ اقبال متین، مضمون، خوشہ گندم، ص:۱۳

References in Roman Urdu

1. Iqbal Mateen, Mazmoon, Khosha-e-Gandam az Baig Ehsas, Haidarabad, Anjman Mamar –e- Adad, 1979, P.11

2. Baig Ehsas, Khosha-e Gandam, P. 17,18

3. Ibid, P.25

4. Ibid, P. 32

5. Ibid, P. 44

6. Ibad, P. 52

7. Baig Ehsas, Hanzal, Haidarabad, Urdu Academy, 1993, P. 22

8. Ibai, P. 25

9. Baig Ehasa, Dakhma, Delhi, Arshia Publication, 2015, P. 88,89

10. Ibid, P. 93

11. Ibid, P. 85

12. Waris Alvi, Mazmoon, Monthly, Chahar So, Rawalpindi,Jilad 27, Shumara, May, Jun 2018. P. 22

13. Razwana Parveen, Mazmoon, Chahar So, P. 39

14. Iqbal Mateen, Mazmoon, Khosha-e-Gandam, P. 13